محمد اسلم فاروقی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

# انوکھی پہیلی

شمس الاسلام فاروقی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025

| | | |
|---|---|---|
| پہلی اشاعت | : | 1979 |
| چوتھی طباعت | : | 2011 |
| تعداد | : | 2100 |
| قیمت | : | -/9 روپے |
| سلسلۂ مطبوعات | : | 770 |


Anokhi Paheli

*By*

**Shams-ul-Islam Faruqi**

**ISBN :978-81-7587-406-0**

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066
فون نمبر: 26109746، فیکس: 26108159
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز-II، نئی دہلی-110020
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho(Top) کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

# پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

**ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ**
ڈائرکٹر

# انوکھی پہیلی

موسمِ سرما کی چھٹیاں ہوئیں تو گھر کی رونق بھی بڑھ گئی۔ حارث، خالد اور شارق کے پھوپھی زاد بھائی بہنیں نبیل، شگفتہ اور عظمہ بھی لکھنؤ سے چھٹیاں گزارنے دہلی آ گئے۔ اب کیا تھا، بچّوں کی مانو عید ہو گئی۔ دن بھر مختلف کھیل کھیلے جاتے اور رات میں کھانے کے بعد محفلیں جمتیں۔ کبھی کہانیاں اور قصّے ہوتے تو کبھی نظمیں پڑھی جاتیں۔ حارث نقلیں اتارنے میں ماہر تھے۔ اُن کی مونو ایکٹنگ بڑا رنگ جماتی تھی۔ گانا بھی اچھا گاتے تھے مگر آواز ذرا پھٹی پھٹی سی تھی۔ شارق بڑے تھے اس لیے ایسی باتوں سے زیادہ دلچسپی لیتے تھے جن سے عام معلومات میں اضافہ ہو۔ نبیل اور خالد سنتے زیادہ اور بولتے کم تھے لیکن جب بھی بولتے ہمیشہ دُور کی کوڑی لاتے۔ شگفتہ قصّہ گو تھی۔ کہانی سناتی تو سماں بندھ جاتا۔ عظمہ کو پہیلیاں اچھی لگتی تھی۔

ایک رات جب نظموں اور لطیفوں کا دَور ختم ہوا تو عظمہ نے مشورہ دیا کہ چلو اب پہیلیاں ہو جائیں ۔ سب راضی ہو گئے ۔ طے ہوا کہ پہل عظمہ ہی کرے ۔ عظمہ کو بھلا کب اعتراض تھا وہ بولیں :

" اچھا بھئی بتایئے وہ کون ہے جو ـــــ برسات میں اکثر آتا ہے،
اور باغ میں ٹرٹر کرتا ہے ۔"

حارث نے فوراً ہی اپنے مُنھ سے ٹرٹر کی آواز نکالی اور سب نے ایک ساتھ کہا ؟" مینڈک"

" بھلا یہ بھی کوئی پہیلی ہوئی ۔" شارق بولے :" ارے پہیلی ایسی پوچھو کہ لوگوں کو کچھ عقل بھی استعمال کرنا پڑے ۔"

دوسرا نمبر شگفتہ کا تھا وہ بولیں :

" ہری تھی من بھری تھی، لاکھ موتی جڑی تھی ۔ راجہ جی کے باغ
میں دوشالا اوڑھے کھڑی تھی ۔"

سب مل کر چلاّئے :" بھٹاّ " اس بار تو دادی بھی خاموش نہ رہ سکیں اُن کی آواز بھی سب کی آواز میں شامل تھی اور کیوں نہ ہوتی پہیلی بھی انھیں کے زمانے کی تھی جسے کہنے اور بوجھنے میں انھوں نے اپنی عمر گزاری تھی ۔

" بھئی مزا نہیں آیا ۔ ابھی تک عقل کا استعمال تو ہوا ہی

نہیں" شارق نے پھر کہا۔

"تو پھر آپ ہی پوچھیئے بھائی جان" خالد نے کہا۔

"بہتر ہو گا پہلے تم بھی اپنا رنگ دکھا لو۔ اتنے مجھے سوچنے کا موقع مل جائے گا۔"

"اچھا تو پوچھیئے": "کام بڑے اور ننھی جان۔ مر نے بھر کو بھری اڑان۔"

سب لوگ خاموش تھے۔ شارق نے تعریفی نظروں سے دیکھا۔ واقعی پہیلی نئی تھی اور عقل کے استعمال کی دعوت دے رہی تھی۔

نبیل نے کہا: "خالد کچھ اتا پتا بھی بتائیں گے"؟

" ہاں ہاں کیوں نہیں۔ یہ ایک جاندار ہے چھوٹا اور ننّا سا۔ مگر دھن کا ایسا پکّا کہ اس کی ہمت کی مثال دی جاتی ہے مگر جب اس کی موت آتی ہے تو غریب کے پر نکل آتے ہیں۔"

اتنا سننا تھا کہ حارث اور نبیل ایک ساتھ بولے: "خالد یہ تو چونٹی ہے۔"

شارق بولے: "خالد تم نے اتا پتا زیادہ بتا دیا۔ چونٹی کے پر نکلنے کی بات تو محاورے میں بولی جاتی ہے اس لیے پہیلی بالکل آسان ہو گئی۔ اچھا چلو اب میں ایک پہیلی پوچھتا ہوں۔ یہ بھی ایک جاندار ہے جو چونٹی جیسا تو نہیں مگر ہے اس کا نزدیکی رشتہ دار۔ حیوانات کے ماہر حیوانوں کی تقسیم میں اُسے بھی

چونٹی کے ساتھ رکھتے ہیں ۔ تو بتاؤ وہ کون ہے جس میں دو خوبیاں ہوتی ہیں "—— "پتّوں کا ٹفن اور ریشم کا کفن!"

سب نے سوچنا شروع کیا۔ شارق نے دیکھا ان کے ابو کے چہرے پر مسکراہٹ آرہی ہے۔ شاید وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ کون سا جاندار ہے جس کی خوبیاں پہیلی میں بتائی گئی ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے شارق نے انھیں روک دیا:

"ابو ابھی نہیں! آپ تو کیڑوں کے ماہر ہیں اس لیے اگر آپ نے پہیلی بوجھی تو کوئی کمال نہ ہوگا۔ ابھی ان لوگوں کو سوچنے کا موقعہ دیجیے۔"

"شارق بھائی کیا اس پہیلی کا جواب تتلی کا لاروا ہے؟" شگفتہ نے پوچھا:

"نہیں جواب غلط ہے۔ مگر تم نے یہ کیسے سوچا؟"

"بات بہت سیدھی سی ہے۔ تتلی کا لاروا پتّے کھاتا ہے یہ اس کے کا ٹفن ہوا اور اگر اس پر ہاتھ پھیریں تو اس کی کھال ریشم جیسی ملائم ہوتی ہے۔"

"تم نے ٹھیک کہا لیکن اس صورت میں ریشم کا لباس کہنا زیادہ صحیح ہوتا۔ بھلا اُسے کفن کیوں کہا گیا۔ تم ٹھیک راستے پر چل رہی ہو۔ ذرا اور سوچو۔

"پھر کیا وہ بالوں والا لاروا ہے جس کے جسم پر لمبے لمبے بال ہوتے ہیں۔ وہ ارنڈی کے پتے کھاتا ہے اور آخر میں اس سے پروانہ بن جاتا ہے جو تتلی سے ملتا جلتا ہوتا ہے اور ہاں وہ اپنا بالوں والا خول بھی بدلتا رہتا،

ہے۔ کیا ہم اسے اس کا کفن نہیں کہہ سکتے؟"

شارق داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ جواب تو ٹھیک نہیں تھا مگر شگفتہ نے دلائل بہت اچھے دیے تھے وہ بولے:

"بھئی تم ہو ذہین۔ اگر پہیلی بنانے والے نے ہم سے مشورہ کیا ہوتا تو شاید پہیلی کا یہی جواب ہوتا۔ مگر افسوس ایسا نہیں ہوا اور اس لیے تمھارا جواب غلط ہے۔"

شگفتہ چپ ہو گئیں اور ایک بار پھر پہیلی کا حل سوچنا شروع کر دیا۔

نبیل بہت دیر سے خاموش تھے۔ پوری بحث سننے کے بعد بولے:

"شارق بھائی! آپ میرے ایک سوال کا جواب دے دیجیے اس کے بعد میں آپ کی پہیلی کا بالکل صحیح جواب دے سکوں گا۔"

"ہاں ہاں پوچھو۔"

"اس کیڑے کا کفن ریشم جیسا ہوتا ہے یا پھر اس کے کفن سے ریشم بنایا جاتا ہے۔"

شارق سے پہلے ان کے ابو بولے:

"نبیل تم واقعی بہت ذہین ہو۔ تمھارے سوال کا جواب دینے کا مطلب یہی ہوگا کہ تمھیں پہیلی کا جواب ہی بتا دیا جائے۔"

اس سوال کے بعد پہیلی سب لوگوں کے لیے بہت صاف ہو گئی تھی۔ مگر
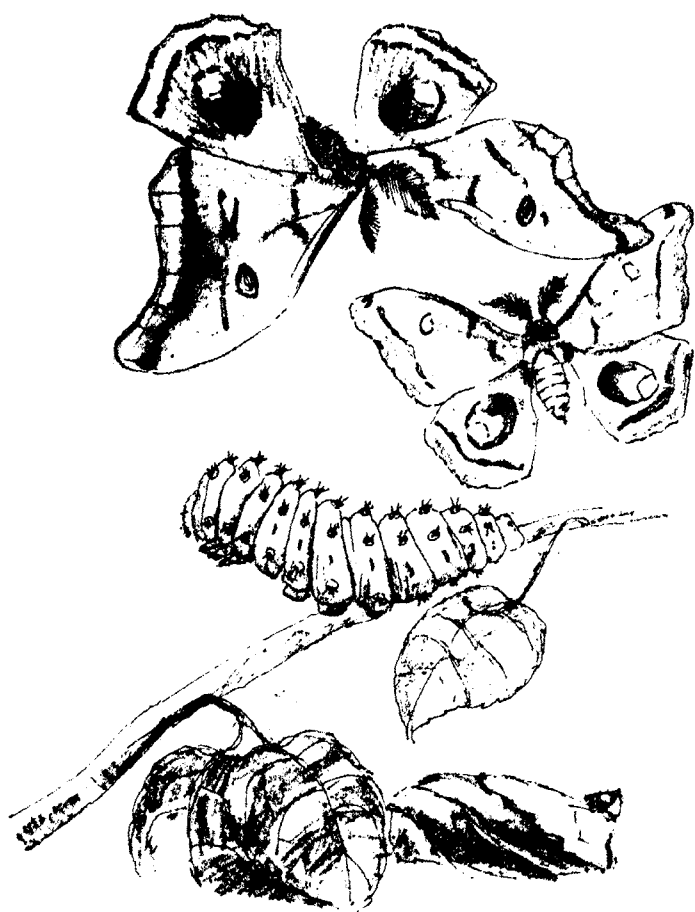
پھر بھی ایک آخری سوال خالد نے بھی پوچھ لیا جس نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔
"چلیے آپ نبیل کے سوال کا جواب نہ دیجیے مگر یہ تو بتائیے کہ کیا اس کیڑے کا
ٹفن شہتوت کے پتے ہوتا ہے؟"

شارق نے سر ہلا کر ہاں کہا تو سب لوگ ایک ساتھ چلائے: "ریشم کا کیڑا"
حارث نے دیکھا کہ ابّو اپنی جگہ پر ذرا سنبھل کر بیٹھ رہے ہیں جس کا مطلب
تھا کہ وہ بھی میدان میں اترنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حارث نے سب لوگوں کی
توجہ ان کی طرف کراتے ہوئے کہا:

"دوستو! اب ذرا سنبھل کر بیٹھو اور اپنے اپنے دماغ کی کھڑکیاں کھول لو کیوں
کہ اب کیڑوں کے ماہر ہمارے ابّو ہم سے ایک پہیلی پوچھنے جا رہے ہیں۔"
سب لوگ ابّو کی طرف متوجہ ہو گئے تو وہ بولے:

"بھئی میں کیڑوں کا ماہر تو نہیں ہوں ہاں کیڑوں پر کام ضرور کرتا ہوں۔ اس
لیے جو پہیلی پوچھوں گا وہ کیڑا ہی ہوگی۔ اس اتنے پتے کے بعد تم اس جاندار کو
صرف کیڑوں کی دنیا ہی میں تلاش کرنا۔ میری پہیلی ذرا لمبی ہے۔ پہلے غور سے
سن لو تا کہ پوری طرح سمجھ میں آ جائے۔"

سب لوگ خاموش ہو کر پہیلی سننے کے لیے تیار ہو گئے تو ابّو نے کہا:

"بتاؤ وہ کیڑا کون سا ہے ——

گھوڑے جیسا منھ ہے اس کا مونچھیں جیسے ہرن کے سینگ

آنکھیں ہیں ہیرے کی کنیاں، پنکھ ہیں اس کے چیل سمان
ٹانگیں اونٹ سے ملتی جلتی، گردن بیل کی جیسی ہے
سینہ بالکل بچھو جیسا، دم ہے اس کی سانپ سمان

پہیلی واقعی ٹیڑھی کھیر تھی۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور بولتا دادی بول پڑیں:
"ارے کیوں بچّوں کو بے وقوف بناتے ہو۔ بھلا ایسا بھی کوئی کیڑا ہوتا ہوگا۔"

حارث کی امی بھی چپ نہ رہ سکیں کہنے لگیں:
"ٹھیک ہی تو ہے۔ اوّل تو ایسا عجیب وغریب کیڑا ہوگا نہیں اور اگر اتفاق سے ہوا بھی تو بھلا یہ بچّے اُسے کیا جانیں۔ ان سے کو کسی ایسے کیڑے کے بارے میں پوچھنا چاہیئے جسے کم از کم انھوں نے دیکھا تو ہو۔"

ابّو نے کہا:
"یہ ٹھیک ہے کہ تم لوگوں نے پہیلی والا کیڑا نہیں دیکھا لیکن بالکل اسی کی شکل وصورت کے کیڑے نہ صرف دیکھے ہیں بلکہ پکڑے بھی ہیں۔"

اب تو سچ مچ سب نے سر جوڑ کر سوچنا شروع کیا۔ واقعی حیرت کی بات ہے! ایک ایسا کیڑا جسے ہم نے دیکھا ہے اور شاید پکڑا بھی ہے تو پھر بھلا وہ یاد کیوں نہیں آتا؟"

سوچتے سوچتے عظمہ کو وہ تتلی یاد آئی جسے پکڑنے کے چکّر میں وہ ایک

بار راستہ ہی بھٹک گئی تھی ۔ اس نے سوچا تتلی میں بہت سی خوبیاں نظر آتی ہیں جو
پہیلی کے کیڑے سے ملتی جلتی ہیں پھر کیوں نہ پہیلی کا یہی حل پیش کر دیا جائے ۔
اگر غلط ہو گیا تب بھی کوئی بات نہیں کم از کم بات آگے تو بڑھے گی اور ہو سکتا
ہے شاید کوئی اور نشانی ہاتھ لگ جائے ۔ یہی سوچ کر وہ بولی :

ممّاموں جان اگر میں یہ کہوں کہ آپ کی پہیلی کا حل تتلی ہے تو کیا آپ
اُسے ماننے سے انکار کر سکتے ہیں ؟"

" ہاں بالکل انکار کر دیں گے کیوں کہ یہ سچ مچ پہیلی کا حل نہیں ہے ۔"

خالد نے عظمہ کی بات کو سراہتے ہوئے کہا :

" دیکھیے ابّو ! تتلی اڑتی ہے اور اس کے پنکھ چیل کے پَروں جیسے ہوتے
ہیں ۔ سر میں دو بڑی بڑی آنکھیں سچ مچ ایسے چمکتی ہیں جیسے ہیرے کی کنیاں
اور پیر وہ تو واقعی اونٹ جیسے ہی ہوتے ہیں ۔ ٹیڑھے میڑھے اور کئی کئی جوڑ
والے ۔ بیٹھتی ہے تو کہہ سکتے ہیں تتلی تتلی تیری کون سی کل سیدھی ۔ اس کے پیٹ
کو ہم دُم کہہ سکتے ہیں اور واقعی وہ ایسی پتلی اور لمبی ہوتی ہے کہ اگر اسے سانپ
بتائیں تو غلط نہ ہوگا ۔ میں سمجھتا ہوں عظمہ کا حل ٹھیک ہے ۔"

اس سے پہلے کہ حارث کے ابّو اس بارے میں کچھ بتاتے حارث نے
اپنی بے سری آواز نکالی :

" اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا ۔ اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز

تمھارا۔"

خالد نے ٹوکا:

"ارے بھئی! اس وقت پہیلیاں ہو رہی ہیں اور تم نے بے روک ٹوک

رینکنا شروع کر دیا۔ آخر پڑوسی کیا کہیں گے۔ ویسے بھی رات کا وقت ہے۔

اور کہیں کلوا اپنے گدھے کی تلاش کرتا ہوا اِدھر آنکلا تو....."

اس پر زبردست قہقہہ پڑا۔ نبیل نے ہاتھ پکڑ کر حارث کو بٹھانے

کی کوشش کی لیکن وہ بھلا اتنی آسانی سے کب ہار ماننے والے تھے انھوں

نے تقریر کے انداز سے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"حضرات میں آپ لوگوں کو کوئی نظم سنانے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتا۔

میں تو آپ کو پہیلی کا حل بتانے جا رہا ہوں۔"

"بھلا وہ کیسے؟" کئی آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔

حارث بولے:

"دیکھیے ہم میں اتنا چھوٹا کوئی نہیں جس نے ڈاکٹر اقبال کی نظم مکھی اور

مکڑا نہ پڑھی ہو۔"

"ہاں ہاں! وہ تو پڑھی ہے مگر اس نظم کا پہیلی کے حل سے بھلا

کیا تعلق!"

"حضرات! وہی بتانے جا رہا ہوں۔ ذرا یاد کیجیے مکڑے نے مکھی

کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی ۔ اسے طرح طرح کے سبز باغ دکھائے ۔ لیکن مکھی چالاک تھی اس نے ٹکا سا جواب دے دیا کہ وہ مکڑے کے جال میں پھنسنے کو بالکل تیار نہیں ہے ۔ مایوس ہوکر مکڑے نے سوچا کہ اسے پھانسنے کے لیے خوشامد سے کام لینا چاہیئے ۔ یہی سوچ کر اس نے مکھی کی خوب صورتی کی تعریف کرنا شروع کردی اور جناب جب مکڑا ایک خاص تعریف پر پہنچا تو ہمیں اپنی پہیلی کا جواب مل گیا۔"

سب نے ایک ساتھ پوچھا: "کون سی تعریف ؟"

"آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں ۔ سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا۔"

ایک بار تو ایسا لگا کہ حارث میاں پالا مار گئے ۔ کئی لوگوں نے تعریف کر ڈالی ۔ واقعی یہاں تو پہیلی کے الفاظ تک مل گئے تھے ۔

شارق نے ابّو کی طرف دیکھا اور پوچھا :

" ابّو کیا واقعی مکھی ہی پہیلی کا حل ہے ؟ کیا حارث ٹھیک کہہ رہے ہیں ؟"

"نہیں یہ درست نہیں ہے ۔ یہ سچ ہے کہ پہیلی میں بتائی گئی کچھ باتیں مکھی میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن زیادہ باتیں نہیں ملتیں ۔ اس کی مونچھیں، گردن، سینہ اور دُم سب ہی مختلف ہوتی ہیں ۔ تم لوگ ابھی کچھ اور دماغ
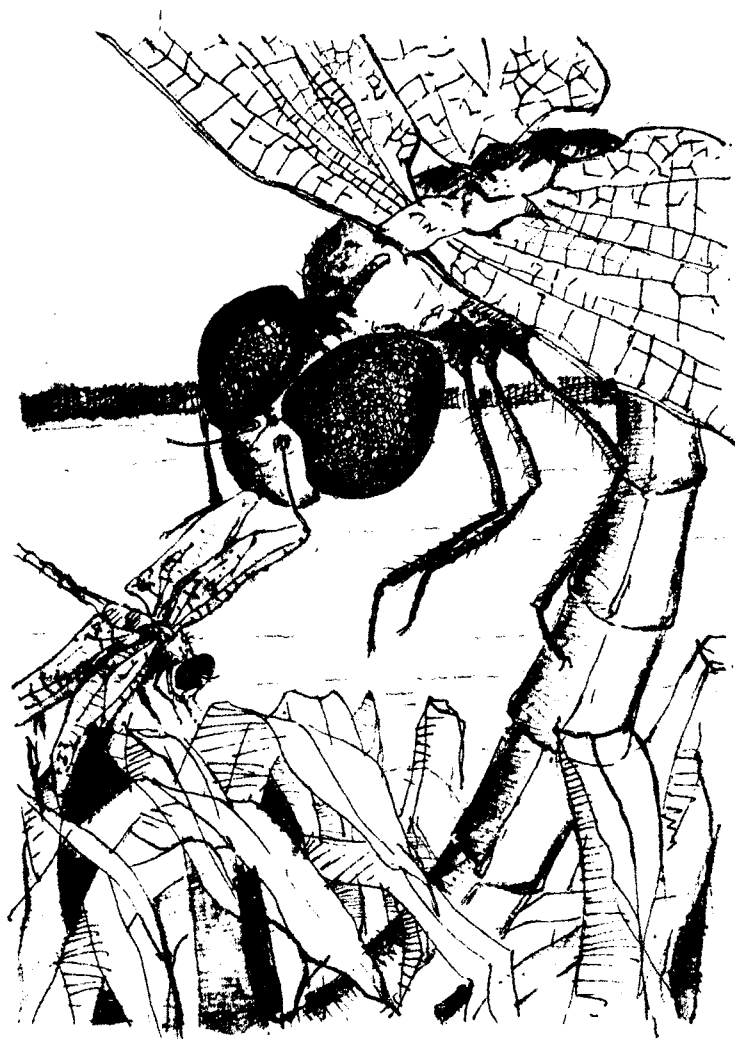
پر زور ڈالو ۔ مجھے امید ہے کہ تم میں سے کوئی نہ کوئی ضرور صحیح جواب معلوم کر لے گا۔"

حارث بے چارے نے بڑی امید سے شعر پڑھے تھے مگر افسوس کامیابی نہ مل سکی اور اب انھوں نے خاموش ہو جانا ہی بہتر سمجھا۔

"جھمبھیری" خاموش بیٹھی عظمیٰ نے یکایک آواز لگائی ۔

"تمھارا جواب بھی اتنا ہی غلط ہے جتنا حارث کا تھا کیوں کہ جھمبھیری میں بھی بس کچھ ہی باتیں ملتی ہیں سب نہیں۔" حارث کے ابّو نے کہا۔

خالد جو بہت دیر سے خاموش بیٹھے تھے بولے :

" ابو اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ کہوں گا کہ یہ پہیلی ہی کچھ غلط ہے۔"

" بھئی وہ کیسے ؟"

" اب دیکھیے نا ! کچھ باتیں تو ایسی ہیں جو تقریباً ہر کیڑے میں پائی جاتی ہیں۔ جیسے بڑی بڑی آنکھیں ، لمبے لمبے جوڑ دار پیر، پَر اور مونچھیں اور یہ سب دیکھنے میں ویسی ہی لگتی ہیں جیسی کہ پہیلی میں بتائی گئی ہیں ۔ حالاں کہ پہیلی کی خوبیاں تو ایسی ہونا چاہیئے کہ صرف اس میں پائی جائیں جس کے بارے میں کہی گئی ہوں۔"

ابّو کے کہنے سے پہلے ہی نبیل بول پڑے :

" خالد اگر ایسا ہو تو پھر بھلا پہیلی ہی کیا ہوئی ۔ مزا تو ایسی ہی پہیلی میں

ہے جس میں دماغ بہت سی چیزوں کی طرف جائے اور پھر ان میں ۔ سے صحیح چیز تلاش کی جائے۔"

"نبیل کی بات بالکل ٹھیک ہے۔ پہیلی میں زیادہ تر خوبیاں ایسی ہیں جو سب کیڑوں پر پوری اترتی ہیں مگر چند باتیں صرف ایک خاص کیڑے کی ہیں۔ تم میں جو بھی ان سب خوبیوں کی کھوج لگائے گا وہی پہیلی کا صحیح حل بتا سکے گا۔" ابّو بولے۔

شگفتہ بہت دیر سے ایک بالکل ہی نئی اُدھیڑ بُن میں تھیں جس کا تعلق پہیلی کے حل سے تو نہ تھا مگر اُن بہت سی خوبیوں میں سے ایک خوبی کے بارے میں تھا جو پہیلی میں بیان کی گئی تھیں۔ اُنھوں نے کئی بار سوچا پوچھوں یا نہیں مگر پھر فیصلہ کر ہی ڈالا کہ چلو پوچھ لیتے ہیں۔ وہ بولیں:

"ماموں جان یہ آنکھیں تو سب ہی کیڑوں کی بڑی بڑی ہوتی ہیں لیکن آخر انھیں ہیرے کی کنیاں کیوں کہا گیا ہے؟"

شگفتہ کے سوال کے جواب میں الٹا ان ہی سے سوال ہو گیا۔

"شگفتہ کیا تم بتا سکتی ہو کہ ہیرا کیوں چمکتا ہے؟"

"ہاں ہاں! کیوں نہیں۔ دیکھیے جب ہیرا کانوں سے نکالا جاتا ہے تب اتنا چمک دار نہیں ہوتا لیکن بعد میں آسے مشینوں کی مدد سے مختلف سمتوں سے تراشا جاتا ہے۔ ہیرا جتنا زیادہ تراشا جائے گا میرا مطلب ہے

اُس پر تراشنے سے جتنے زیادہ رُخ بنیں گے وہ اتنا ہی زیادہ چمکے گا۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس پر روشنی پڑے گی تو ہر رُخ سے الگ الگ
روشنی کی کرنیں پھوٹیں گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہیرا جھلملانے لگے گا۔"

"بھئی واہ! تم نے تو ہیرے کے جھلملانے کی پوری تصویر کھینچ دی۔ اب
تمھارے لیے کیڑوں کی آنکھوں کا ہیرے کی طرح چمکنا آسانی سے سمجھ میں
آجائے گا۔ ہیرے میں تو بہت سے رُخ بنائے جاتے ہیں لیکن کیڑوں کی
آنکھوں میں قدرتی طور پر بہت سے رُخ ہوتے ہیں۔ آنکھوں میں اتنے
زیادہ رُخ نظر آنے کی وجہ ہے کہ ہر آنکھ میں بے شمار لینس ہوتے ہیں اور
ہر لینس کا اپنا ایک رُخ ہوتا ہے۔ ہماری تمھاری آنکھ میں صرف ایک لینس
ہوتا ہے جس کی مدد سے مختلف چیزوں کا عکس ہماری آنکھ کے اندرونی
پردے پر بنتے ہیں جنھیں پہلے ہمارا دماغ سمجھتا ہے پھر ہمیں اطلاع دیتا
ہے اور اس طرح وہ چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں۔ کیڑوں کی آنکھوں کا ہر لینس
ایک مکمل آنکھ کی طرح کام کرتا ہے۔ جھینگیری اور مکھی کی آنکھوں میں تو اِن کی
تعداد پچاس ہزار تک ہوسکتی ہے۔ ان ہزاروں لینسوں پر جب الگ الگ
روشنی پڑتی ہے تو آنکھیں یوں چمک اٹھتی ہیں جیسے ہیرے کی کنیاں۔ اچھا
چلو اب پہیلی کی طرف لوٹ آؤ۔ کہو تو میں تمھیں کچھ اور اتا پتا بتا دوں۔"

"ابو آپ یہ بتائیے کہ یہ کیڑے کیا کھاتے ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟"

حارث نے سوال کیا۔

" جب تک ہری چیزیں ملتی رہتی ہیں یہ انھیں پسند کرتے ہیں۔
لیکن اگر ہری چیزیں ختم ہو جائیں تو پھر جو چیز بھی سامنے آئے اُسے
ختم کر ڈالتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کچھ نہ ملے تو پھر اپنے بچّوں ہی کو شکار کرنا
شروع کر دیتے ہیں۔ جہاں تک رہنے کا سوال ہے ان کی پیدائش ریتیلی زمین
میں ہوتی ہے لیکن بعد میں جہاں کھانے کا سامان زیادہ نظر آئے یہ اُدھر
ہی کا رُخ کر لیتے ہیں۔"

بچّے مُنھ کھولے یہ باتیں سن رہے تھے۔ لگتا تھا اتا پتا پوچھنے پر
تو پہیلی اور بھی مشکل ہو گئی۔ کچھ سوچ کر شارق نے کہا:

" ابّو ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ اس کیڑے کو ہم سب نے نہ صرف
دیکھا ہے بلکہ پکڑا بھی ہے لیکن دوسری طرف آپ ایسی باتیں بتا رہے
ہیں جو ہمارے لیے نئی ہیں۔ اب آپ کہیں تو ہم ہار مان لیں۔"

" میں نہ کہتی تھی کہ ایسا کیڑا ہوتا ہی نہیں۔ پھر بھلا یہ بچّے اُسے
کیا جانیں۔ دادی چُپ نہ رہ سکیں۔

" جلدی نہ کرو۔ تمھارے جیسے ذہین بچوں کا اتنی جلدی ہار ماننا اچھا
نہیں لگتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ کیڑے دو حالتوں میں رہتے ہیں۔ ایک
حالت وہ ہے جس کے دوران اُن کی پیدائش اور کھانا اس طرح ہوتا ہے۔

جیسے میں نے ابھی بتایا ہے۔ یہ حالت تم نے نہیں دیکھی اس لیے پریشان ہو گئے۔ دوسری حالت وہ ہے جس کے دوران وہ ان کیڑوں کی طرح ہو جاتے ہیں جنھیں تم نے دیکھا ہے۔ میں تمھیں تمھارے دیکھے بھالے کیڑوں کی نشانیاں بتاتا ہوں۔ اگر تم نے انھیں پہچان لیا تو پہیلی والے کیڑوں کا پہچاننا بہت آسان ہو جائے گا۔ تمھارے جانے پہچانے کیڑوں کا رنگ عام طور پر ہرا ہوتا ہے۔ وہ گھاس میں رہتے ہیں اور اسی کو کھاتے ہیں۔ اُن کی ایک خاص عادت یہ ہے کہ وہ اپنی پچھلی ٹانگوں پر زوردار جست لگاتے ہیں۔" ابّو بولے۔

"ابّو آپ نے بھی بس کمال کر دیا۔ اتنی سی بات اور اتنی بڑی کہانی۔ بتائیے کیا آپ کی پہیلی کا حل ٹڈا نہیں ہے!" خالد نے کہا۔

حارث کے ابّو اب بھی خاموش تھے۔ سب لوگ چلّائے: "بتائیے بتائیے آپ چپ کیوں ہیں۔ کیا وہ ٹڈا نہیں ہے؟"

ابّو آہستہ سے مسکرائے اور بولے:

"ٹڈا نہیں ٹڈی۔"

امی زور سے چلّائیں:

"اب بس بھی کیجیے۔ بھلا ٹڈا ٹڈی میں کیا فرق ایک نر تو دوسرا مادہ۔ آپ کو بچّوں کی بات مان لینا چاہیئے۔"

"بھئی تم کہتی ہو تو مان لیتے ہیں مگر سچ یہ ہے کہ پہیلی کا جواب تو ٹڈی ہی ہے۔"

شارق نے حیرت سے سوال کیا:

"ابّو اس پہیلی میں کہیں بھی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ کیڑا نر ہونا چاہیئے یا مادہ۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ پہیلی میں ایسا اشارہ موجود ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ پہیلی میں ایک کیڑا پوچھا گیا ہے تمھیں صرف اس کا نام بتانا ہے۔ تم سے کوئی نہیں جاننا چاہتا کہ وہ کیڑا نر ہے یا مادہ۔"

"یہ سوال تو ابّو آپ خود ہی پیدا کر رہے ہیں۔ جب ہم نے بتا دیا کہ پہیلی کا جواب ٹڈا ہے تو پھر آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ وہ ٹڈا نہیں ٹڈی ہے؟"

"میں نے یہ بات اس لیے کہی کیوں کہ ٹڈا اور ٹڈی کیڑوں کی دو الگ الگ قسمیں ہیں۔"

بچّے یہ سن کر الجھن میں پڑ گئے۔ ان کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو رہا تھا کہ ٹڈا اور ٹڈی ایک کیڑے کے نر اور مادہ نہیں بلکہ الگ الگ کیڑے ہیں۔ اُن کے ذہن اس گتھی کو سلجھانے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ نبیل نے

پہیلی کی:

"یہ بات تو نہ صرف عجیب ہے بلکہ دلچسپ بھی۔ کیوں نہ ہم پہیلیاں چھوڑ کر ماموں جان سے ان کیڑوں کے بارے میں کچھ باتیں کریں۔"

"ہاں ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ پہیلیاں پھر کبھی ہو جائیں گی۔" ایک ساتھ کئی آوازیں ابھریں۔

حارث کے ابّو کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انھیں تو کیڑوں کی باتیں کرنے میں خود بھی بڑا مزا آتا تھا۔ وہ فوراً راضی ہو گئے اور بولے:

"میں تمھیں ٹڈے اور ٹڈیوں کے بارے میں ضرور بتاؤں گا اور تم بھی ان کے بارے میں جہاں ضرورت سمجھو سوالات کرتے جانا۔ ایک طرح سے یہ بھی پہیلیاں ہی ہوں گی کیوں کہ جب ایک پوچھے اور دوسرا جواب دے تو یہ بھی ایک قسم کی پہیلی ہی ہو جاتی ہے۔"

"اچھا تو چلیے سب سے پہلے تو آپ یہ ٹڈے ٹڈیوں ہی کی پہیلی حل کر دیں۔ آخر ان دونوں میں ایسے کون سے فرق ہیں کہ یہ ایک دوسرے سے الگ سمجھے جاتے ہیں۔" شگفتہ نے سوال کیا۔

"میں کہتی ہوں پہلے ٹڈوں کا قصّہ ہو جائے۔ فرق تو بعد میں بھی سمجھ لیں گے۔" عظمیٰ نے مشورہ دیا۔

خالد کو یاد آیا۔ ایک روز اُن کے دوستوں کی آپس میں بڑی بحث ہوئی

تھی۔ ایک صاحب کہتے تھے کیچوا کیڑا ہے۔ جب کہ اُن کا اپنا کہنا تھا کہ کیڑوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مگر یہ بات ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس ثبوت نہیں تھے اور بالآخر انھیں خاموش ہونا پڑا تھا۔ یہ سوچ کر انھوں نے کہا:

"کیا ہی اچھا ہو کہ ہماری بات کیڑوں سے شروع ہو!"

"لیجیے آپ کی سنیے" حارث نے سب کی توجہ اُدھر کراتے ہوئے کہا: خالد بھائی شاید آپ بھول رہے ہیں کہ ہم اس وقت کیڑوں ہی کی باتیں کر رہے ہیں۔ ٹڈے اور ٹڈیاں کیڑے ہی ہوتے ہیں دودھ دینے والے جانور نہیں۔

سب لوگ یہ سن کر ہنس دیے مگر خالد پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بولے:

"یہ بات میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں لیکن کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کون سے جاندار ہیں جنھیں ہم کیڑا کہہ سکتے ہیں؟"

خالد نے چپ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید کوئی اور جواب دے لیکن وہاں تو مکمل خاموشی تھی اُنھوں نے پھر پوچھا:

"چلیے یہ سوال تو ذرا مشکل ہو گیا۔ آپ صرف اتنا بتا دیجیے کہ کیچوا کیڑا ہے یا نہیں؟"

سوال واقعی مشکل تھا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ کیچوے کے لیے کیڑے کا لفظ صحیح ہے یا غلط۔ اب ان کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ خالد کتنے دُور کی

کوڑی لائے تھے۔ سب نے اُن کی اس بات سے اتفاق کیا اور یہی طے ہوا کہ بات یہاں سے شروع کی جائے کہ کیڑے کیا ہیں؟"

حارث کے ابّو کو یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ بچّے کتنی گہرائی سے چیزوں کو دیکھتے ہیں اور ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بولے:

"تم لوگ اطمینان رکھو۔ میں تمھیں کیڑوں کی ایسی نشانیاں بتاؤں گا کہ آج کے بعد تم کبھی انھیں پہچاننے میں دھوکا نہیں کھاؤ گے۔ چلو سب سے پہلے تم اُن کیڑوں کے نام گنواؤ جنھیں تم روزانہ اپنے چاروں طرف دیکھتے رہتے ہو۔"

حارث نے کیڑوں کے نام گنانا شروع کیا:

"تتلیاں، ٹڈّے، مکھی، مچھّر، شہد کی مکھی، ریشم کا کیڑا......

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے کیڑے ہمیں اپنے چاروں طرف نظر آتے ہیں۔ جیسے چونٹیاں، دیمک، تتیّا، انجن ناری، جھینگر، کاکروچ وغیرہ۔ اگر تم غور سے دیکھو گے تو پتہ چلے گا کہ ہر ایک کیڑے کا جسم تین حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جسے سر، سینہ اور پیٹ کہتے ہیں۔ سر کے حصّے میں دو بڑی بڑی ہیرے جیسی آنکھیں، دو مونچھیں اور نیچے کی طرف ایک مُنھ ہوتا ہے۔ سینے کے اوپری حصّے میں دو یا چار پر ہوتے

ہیں اور نیچے کی طرف چھ پیر۔ ہر پیر میں کئی جوڑ ہوتے ہیں جن کی مدد سے یہ کیڑے کیسی بھی سطح پر بڑی آسانی سے چل سکتے ہیں۔ پیٹ عام طور پر لمبوترا ہوتا ہے۔ مگر اس حصّے میں پیر نہیں ہوتے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیر بہوٹی، مکڑی، بچھو اور کھنکھجورا کیڑے نہیں ہوتے۔" نبیل بولے۔

" بالکل نہیں! ان میں وہ خوبیاں نہیں ملتیں جو میں نے ابھی بتائی ہیں۔ بیر بہوٹی، مکڑی اور بچھو کے جسم میں تین کے بجائے صرف دو حصّے ہوتے ہیں۔ جن میں سر اور سینہ مل کر ایک حصہ بناتے ہیں اور پیٹ دوسرا حصّہ ہوتا ہے، یا کبھی کبھی سر الگ ہوتا ہے اور سینہ اور پیٹ مل کر دوسرا حصّہ بنا لیتے ہیں۔ پیروں کی تعداد بھی چھے کے بجائے آٹھ ہوتی ہے۔ کھنکھجورے کا جسم ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک جیسا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ سر بھی پوری طرح الگ نہیں ہوتا۔ ویسے پورا جسم ایک جیسے چھوٹے ٹکڑوں کا بنا ہوتا ہے جس میں سے ہر ایک میں ایک ایک جوڑی پیر ہوتے ہیں۔ یہ جاندار کیڑے نہیں ہیں بلکہ کیڑوں کے قریبی رشتہ دار ہیں۔

"اور کیچوے کو آپ کیا کہیں گے؟" خالد نے اپنے سوال کا جواب چاہا۔

"کیچوا بھی کیڑا نہیں ہے۔ ہاں کیڑوں کے ماہر اسے کیڑوں کا باوا آدم ضرور کہتے ہیں۔"
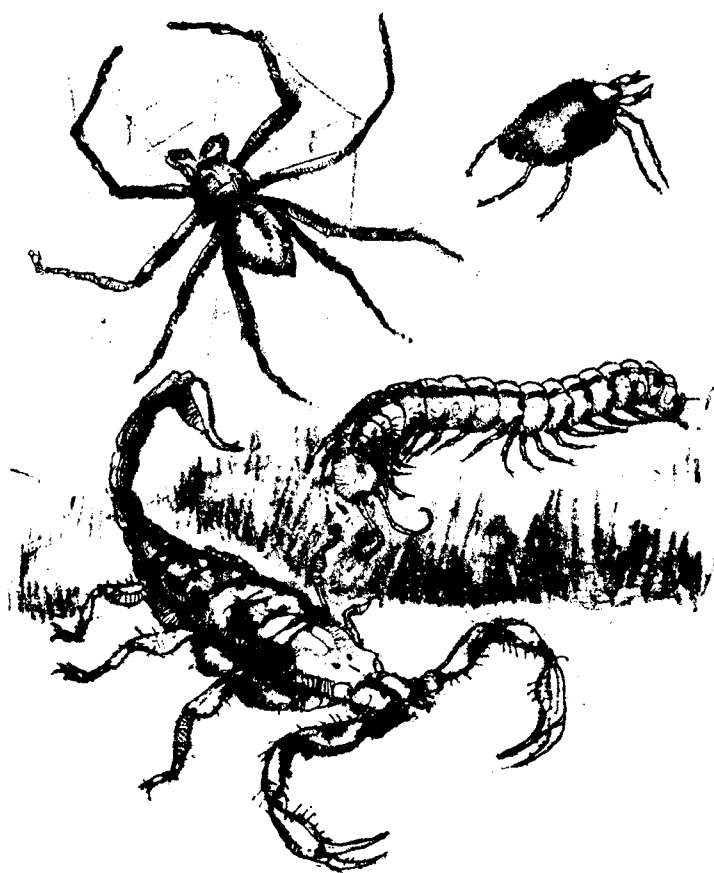
"باوا آدم کہنے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ کیڑوں نے اپنی سب سے خاص خوبی یعنی جسم کا کئی حصّوں میں بٹا ہونا کیچوں سے وراثت میں پایا ہے۔ اب دیکھو نا، کیچوے کا جسم ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک جیسا ہوتا ہے۔ لیکن اس کی کھال پر گولائی میں بے شمار لائینیں نظر آتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ پورا جسم بے شمار ٹکڑوں سے بنا ہوا ہے۔ کھنکھجورے کے جسم میں یہ ٹکڑے بہت صاف نظر آتے ہیں مگر اُن کی تعداد کم ہوتی ہے اور بالآخر کیڑوں کے جسم میں صرف تین حصّے یعنی سر، سینہ اور پیٹ ہی باقی رہ جاتے ہیں۔"

"ماموں جان! کیا کھٹمل اور جوئیں بھی کیڑا ہیں۔" شگفتہ نے پوچھا۔

"یہ دونوں بھی کیڑوں میں شامل ہیں کیوں کہ ان کے جسم کے بھی تین حصّے ہوتے ہیں اور پیروں کی تعداد چھے ہوتی ہے۔"

"مگر ان کے پر تو ہوتے نہیں!"

"تمھارا کہنا بالکل ٹھیک ہے۔ اصل میں کچھ کیڑے ایسے بھی ہیں جن میں یا تو پر ہوتے ہی نہیں یا پھر بہت کم وقت کے لیے نکلتے ہیں۔ جیسے چونٹیوں اور دیمک میں جب ان کی تعداد بڑھنے کا وقت آتا ہے تب پر نکل آتے ہیں تاکہ وہ نئے ٹھکانے ڈھونڈ سکیں۔ اسی طرح کھٹمل اور جوؤں میں بھی پر نہیں ہوتے کیوں کہ انھیں اس کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔"

خالد نے سوچا کیچوے کی بات تو سمجھ میں آ گئی لیکن کچھ جاندار اور بھی ایسے ہیں جن کے لیے لوگ کیڑے کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ان کے بارے میں بھی پوچھ لیا جائے۔ یہی سوچ کر وہ بولے:

" ابّو کچھ لوگوں کے پیٹ میں کیڑے ہو جاتے ہیں کیا وہ بھی ان کیڑوں کی طرح ہیں جن کی نشانیاں آپ نے ابھی بتائیں تھیں؟"

" تم نے اچھا سوال کیا ہے۔ واقعی لوگ انھیں پیٹ کے کیڑے کہتے ہیں۔ مگر اصل میں یہ جاندار کیڑوں سے بہت الگ ہوتے ہیں۔ انھیں کدو دانے یا کِرم کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اس کے علاوہ کچھ لوگ بیکٹریا اور وائرس کے لیے بھی کیڑوں کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو بالکل ہی غلط ہے۔ انھیں جراثیم کہنا چاہیئے۔" ابّو نے بتایا۔

شارق نے کیڑوں کے بارے میں اگلا سوال کیا:

" ابّو! آپ نے کیڑوں کی سب نشانیاں بتا دیں یا ابھی اور باقی ہیں؟"

" نشانیاں اور خوبیاں تو بہت ہیں مگر میں نے تو صرف وہ بتائی ہیں جن کے ذریعے انھیں پہچاننا بہت آسان ہے۔"

" ماموں جان لوگ کہتے ہیں کہ کیڑوں کے جسم میں ہڈیاں نہیں ہوتیں۔ پھر بھلا یہ اپنے جسم کی بناوٹ کیسے قائم رکھ پاتے ہیں۔" شگفتہ نے ذرا ہٹ کے سوال کیا۔

ابّو نے شگفتہ کے سوال کی تعریف کی اور بولے :

" بھئی تم نے کیڑوں کی ایک ایسی خوبی کے بارے میں سوال کیا ہے جو ان کے لیے قدرت کی ایک انمول دین ہے ۔ یہ سچ ہے کہ کیڑوں کے جسم میں ہڈیاں نہیں ہوتیں مگر اُن کے جسم ایک سخت کھال سے ڈھکے رہتے ہیں ۔ بس سمجھ لو یہی کھال اُن کی ہڈیاں ہیں اور اسی کی مدد سے وہ اپنی بناوٹ قایم رکھتے ہیں "

" آپ نے کھال کو انمول دین کیوں کہا "

" اصل میں یہ کھال کیڑوں کے لیے بڑے کام کی چیز ہے ۔ جسم کی بناوٹ قایم رکھنے کے علاوہ یہ ان کے گوشت اور نازک حصّوں کی حفاظت کرتی ہے ، مُنھ کے اندر دانتوں اور جبڑوں کو سخت بناتی ہے تاکہ وہ آسانی سے پتّوں اور ٹہنیوں کو کاٹ سکیں ۔ پیروں اور پروں کو مضبوطی دیتی ہے جس کی مدد سے وہ تیزی سے دوڑتے اور اڑتے ہیں ۔ اس کھال کے اندر موم جیسے کچھ مادے ہوتے ہیں جو جسم کے پانی کو تیزی سے ضائع نہیں ہونے دیتے اور اس طرح پانی نہ ملنے پر بھی کیڑے زیادہ دن تک زندہ رہ سکتے ہیں ۔ اس کھال کی ایک خوبی تو ایسی ہے جسے سن کر تم سچ مچ حیران رہ جاؤ گے "

" وہ کیا ؟ " سب نے ایک ساتھ کہا ۔

" کیڑوں کو ان کی یہ کھال مرنے کے بعد بھی جوں کا توں رکھتی ہے اور برسوں گزرنے کے بعد بھی یہ کیڑے زندوں جیسے ہی دکھائی دیتے ہیں "

"واقعی یہ تو حیرت کی بات ہے۔ اس کا تو تجربہ کر کے دیکھنا چاہیئے" نبیل نے مشورہ دیا۔

"تجربہ تو تم کر ہی سکتے ہو لیکن ایسے کیڑوں کو تم کسی میوزیم میں بھی دیکھ سکتے ہو۔ کیڑوں کے ماہر انھیں مار کر جب میوزیم میں رکھتے ہیں تو ان پر تاریخ اور جگہ کا لیبل ضرور لگاتے ہیں۔ بعض میوزیموں میں تو کئی کئی سو برس پرانے کیڑے اب بھی یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے زندہ ہوں"

بچے یہ سُن کر بہت حیران ہو رہے تھے اور کیڑوں کے بارے میں جاننے کا شوق بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اسی خیال سے شارق نے بات کو آگے بڑھانا چاہا :

" ابّو یہ کیڑے آخر کھاتے کس طرح ہیں؟ کیسے سانس لیتے ہیں اور چھے پیروں سے اس قدر تیز کیسے دوڑ لیتے ہیں؟ اڑتے بھی اتنا تیز ہیں کہ اڑتے وقت ان کے پَر ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتے مگر پھر بھی ان کے یہ نازک پَر ٹوٹ نہیں جاتے۔ آخر کیوں؟ "

حارث کے ابّو اتنے بہت سے سوالات سن کر مسکرائے اور بولے:

"بیٹے تم نے اتنے بہت سے سوالات پوچھ لیے کہ ان سب کے جواب دینے کے لیے بہت وقت چاہیئے۔ اب بہت دیر ہو گئی ہے اس لیے اس وقت تو تم بس ٹڈے اور ٹڈیوں کا فرق ہی جان لو۔ باقی باتیں

پھر کبھی پوچھ لینا۔"

شگفتہ کو خیال آیا کہ واقعی اصل بات تو کہیں کھو گئی اور ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ وہ بولی :

" ماموں جان ٹھیک کہتے ہیں۔ اب ٹڈے ٹڈیوں کی بات ہو جائے تاکہ پہیلی سمجھ میں آسکے۔"

جب سب لوگ اس بات کے لیے تیار ہو گئے تب حارث کے ابّو بولے :

"ٹڈے اور ٹڈیوں کی شکل وصورت میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ ٹڈے عام طور پر ہرے رنگ کے ہوتے ہیں جب کہ ٹڈیوں کا رنگ بھورا ہوتا ہے اور ان کے پروں پر کالے رنگ کی چتیاں بھی ہوتی ہیں۔ غور سے دیکھو تو ٹڈیوں کی آنکھوں میں گہرے رنگ کی کئی دھاریاں بھی نظر آتی ہیں جو ٹڈوں کی آنکھوں میں نہیں ہوتیں۔ ایک خاص بات اور بھی ہے اور وہ یہ کہ ٹڈیاں تو کبھی کبھی ٹڈے بن جاتی ہیں لیکن ٹڈے کبھی ٹڈیاں نہیں بنتے۔"

" ابّو۔ آپ نے تو پھر پہیلیاں بجھوانا شروع کر دیں۔ آخری بات تو بالکل ہی سمجھ میں نہیں آئی۔" حارث نے کہا :

" ارے گھبراتے کیوں ہو! میں ابھی سمجھاتا ہوں۔ دیکھو بات یہ ہے کہ عام ٹڈے جو عام طور پر ہرے رنگ کے ہوتے ہیں اور اکثر گھاس

یں کودتے نظر آتے ہیں وہ ہمیشہ الگ الگ رہتے ہیں لیکن ٹڈیاں جیسا کہ میں نے پہلے بتایا تھا دو حالتوں میں رہتی ہیں۔ کبھی ٹڈوں کی طرح الگ الگ اور کبھی مل کر جھنڈ یا دل کی شکل میں جب الگ الگ ہوں تو انھیں ٹڈا بھی کہا جا سکتا ہے لیکن جب لاکھوں کے جھنڈ میں ہوں تو ہم انھیں ٹڈی دل کہتے ہیں۔"

"یہ ٹڈیاں اپنے روپ میں کسی خاص وجہ سے تبدیلی کرتی ہیں یا بس یوں ہی!" نبیل نے پوچھا۔

ابّو نے نبیل کے سوال کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

"ٹڈیوں کے ماہر کہتے ہیں کہ یہ تبدیلی ایک سال سے بارہ سال کے وقفے کے بعد ہوتی جس کا تعلق موسم سے ہے۔ اگر بارشیں اچھی ہوں تو ہریالی زیادہ ہوگی اور اس وقت الگ الگ رہنے والی ٹڈیاں تیزی سے اپنی تعداد بڑھا کر ٹڈی دَل بن جائیں گی۔ لیکن سخت موسم میں ہریالی کی کمی ہوتی ہے اور تب یہ الگ الگ رہنا ہی پسند کرتی ہیں۔ ماہرین ان کی آنکھوں کی دھاریاں دیکھ کر پتا لگا لیتے ہیں کہ کب دَل بن جائے گا۔"

"وہ کیسے؟" سب نے ایک ساتھ پوچھا:

"دَل بننے سے پہلے آنکھوں میں دھاریوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ اگر تین، دھاریاں ہیں تو دَل نہیں بنے گا لیکن جب یہ بڑھ کر پانچ ہو جائیں

توسمجھو دَل بننے والا ہے۔ جب دَل بن جاتا ہے اس وقت ان دھاریوں کی تعداد سات ہو جاتی ہے۔"

دادی بہت دھیان سے ٹڈیوں کا قصہ سُن رہی تھیں وہ بولیں:

"ارے ہاں نہ جانے کیا بات ہو گئی کہ اِدھر برسوں سے ٹڈی دَل آنا ہی بند ہو گئے۔"

شگفتہ نے حیرت سے پوچھا:

"دادی کیا آپ نے ٹڈی دَل دیکھا ہے؟"

"ہاں ہاں، کتنی ہی بار دیکھا۔ ہم جب تمھارے برابر تھے تب تو ٹڈی دَل بہت جلدی جلدی آیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی تو ہر سال ہی۔ جب بھی ٹڈی دَل آتا تو لاکھوں کروڑوں ٹڈیاں آسمان پر اس طرح چھا جاتی تھیں جیسے بادل۔ سورج کی روشنی تک ماند پڑ جاتی تھی۔"

بچے واقعی بہت حیران تھے کہ بھلا یہ ٹڈی دَل کیا چیز ہے جسے ہماری دادی تو جانتی ہیں مگر ہم نے کبھی دیکھا تک نہیں۔ یہی سوچ کر خالد نے سوال کیا:

"ابّو آخر کیا بات ہے کہ اب ٹڈی دَل نہیں آتے۔ کیا ہم انھیں نہیں دیکھ سکتے؟"

"جہاں تک مجھے یاد ہے دہلی میں آخری بار ٹڈی دَل ۱۹۶۲ میں دیکھا

گیا تھا اور وہ بھی بہت بڑا نہیں تھا۔ تم تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے
تھے۔ پھر بھلا اسے کیسے دیکھ پاتے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کروڑوں ٹڈیاں
ایک ساتھ کسی علاقے میں اترتی تھیں تو ہر ہری چیز کا صفایا کر دیتی تھیں۔
کھیتوں میں فصلیں تباہ ہو جاتیں اور درختوں سے پتے غائب ہو جاتے۔
کھانے کی چیزوں کی اتنی کمی ہو جاتی تھی کہ قحط پڑ جاتے اور لوگ بھوکوں
مرنے لگتے۔ یہ سب تباہیاں دیکھ کر سائنس دانوں نے ان کی روک تھام
کے طریقے معلوم کیے اور اب یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ان کی تعداد
کو بڑھنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ٹڈی دل نہیں
آتے۔"

"مگر ماموں جان اتنی بڑی تعداد میں ٹڈیوں کو مارنا کیا آسان ہوتا ہوگا
اور وہ بھی اتنے بڑے ملک میں جیسا کہ ہمارا ہندستان ہے؟" عظمہ نے
بہت سوچ کر پوچھا:

"تم نے ٹھیک سوچا۔ یہ کام مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا اگر ٹڈی دل
بننے کی جگہیں مقرر نہ ہوتیں۔ شکر ہے کہ یہ ٹڈی دل ریگستان میں بنتے
ہیں اور یہ جگہیں ہندستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں جانی پہچانی ہیں۔
یہ علاقے افریقہ کے ریگستان سے شروع ہو کر عرب، ایران، افغانستان،
پاکستان اور ہندستان کے ریگستانوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔"

"ہمارے ملک میں ان کی پیدائش کہاں ہوتی ہے اور کیا دوسرے ملکوں کے ٹڈی دَل بھی ہمارے ملک میں آسکتے ہیں؟" خالد نے پوچھا۔

"ہمارے یہاں ٹڈی دَل یا تو راجستھان کے علاقوں جیسلمیر، بارمیٹر اور بیکانیر میں بنتے ہیں یا پھر ایران، افغانستان اور پاکستان سے آتے ہیں۔ کبھی کبھی خوراک کی کمی یا موسم کی سختی انھیں لمبے لمبے راستے طے کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ کہا جاتا ہے پُرانے وقتوں میں ایک زبردست ٹڈی دَل کینیا اور سومالیہ سے اڑ کر سمندر پار کرتا ہوا ہندستان میں گجرات کے علاقوں پر حملہ آور ہو چکا ہے۔" ابّو نے سمجھایا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اِن ٹڈی دلوں کے پیدائش کے علاقوں پر نظر رکھی جائے تو اُن پر آسانی سے قابو پایا جا سکتا ہے۔" شارق نے اپنی رائے پیش کی۔

شگفتہ کے ذہن میں ابھی تک یہ بات نہیں آرہی تھی کہ جانے مانے ریگستان ہی سہی مگر وہاں بھی آخر ان ٹڈیوں کو کس طرح تلاش کرتے ہوں گے اور پھر مارنا بھی کیا آسان ہوگا۔ یہی سوچ کر انھوں نے پوچھا۔

"ماموں جان ریگستان میں ٹڈیوں کو ڈھونڈتے کیسے ہیں اور پھر مارنے کی ترکیب کیا ہے؟"

"انھیں تلاش کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ جب ٹڈی کے انڈے دں
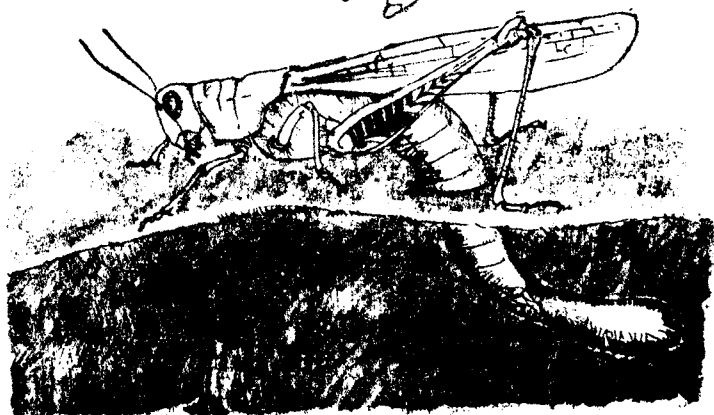
سے بچے نکلتے ہیں اس وقت ان کے پر نہیں ہوتے۔ ان کا رنگ پہلے کالا ہوتا ہے اور بعد میں پیلا ہو جاتا ہے۔ وہ بڑی تعداد میں کودتے ہوئے اس طرف چلتے ہیں۔ جدھر ہریالی نظر آتی ہے۔ ریگستانی علاقوں میں کیوں کہ ہریالی صرف کہیں کہیں ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی تلاش زیادہ مشکل نہیں ہوتی۔ وہ اپنے کالے اور پیلے رنگ کی وجہ سے نظر آجاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ایک بڑا دھبہ حرکت کر رہا ہو۔ انھیں مارنے کی ترکیب بھی آسان ہے۔ ان کے راستوں میں کھائیاں کھود دی جاتی ہیں۔ بچے کودتے ہوئے آتے ہیں اور اُن میں گر پڑتے ہیں۔"

"اگر ٹڈیوں کے انڈوں ہی کو ختم کر دیا جائے تو اور بھی اچھا ہو۔" خالد نے رائے دی۔

"ٹڈیوں کے انڈوں کو تلاش کرنا ممکن نہیں کیوں کہ وہ ریت میں چار سے چھ سینٹی میٹر نیچے ہوتے ہیں۔" ابّو نے بتایا۔

"بھلا وہ کیسے۔" نبیل نے سوال کیا۔

"ٹڈی کی مادہ اپنی دُم ریتیلی زمین میں گھسا دیتی ہے اور جب وہ تقریباً چھ سینٹی میٹر نیچے پہنچ جاتی ہے تب انڈے دے دیتی ہے۔"

"ایک ٹڈی کتنے انڈے دے دیتی ہو گی؟" عظمٰی نے پوچھا۔

"ٹڈی کی زندگی تقریباً چار ماہ ہوتی ہے اور اس دوران وہ تین بار

انڈے دیتی ہے۔ ہر بار میں انڈوں کی تعداد اسّی سے سو تک ہوتی ہے۔
اس کا مطلب ہوا کہ ہر مادہ ٹڈی اپنی زندگی میں لگ بھگ ڈھائی سو سے تین سو
انڈے دے دیتی ہے۔"

خالد نے جاننا چاہا:۔

"کیا ان انڈوں کو دوسرے جاندار جیسے چیونٹیاں وغیرہ نہیں کھا جاتے؟"

"انڈے دینے کے بعد مادہ ٹڈی ان پر ایک جھاگ جیسی چیز چھوڑ دیتی
ہے جو تھوڑی ہی دیر میں اسپنج کی طرح سخت ہو جاتی ہے اور اس طرح
ٹڈی کے انڈے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی بعض چھپکلیاں ریت میں گھس
کر انڈے کھا جاتی ہے لیکن بچے ہوئے انڈے ٹڈی دَل بنانے کے لیے
بہت کافی ہوتے ہیں۔"

"یہ انڈے دیکھنے میں کیسے لگتے ہوں گے اور کیا ٹڈی اتنے بہت
سے انڈے ایک ہی جگہ دیتی ہے یا پھر الگ الگ؟" حارث نے پوچھا۔

"اسّی سے سو انڈوں کا پورا ایک گچھا ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے
چاول کے دانے برابر برابر جما دیے گئے ہیں۔"

"انڈوں سے نکلنے والے بچّے باہر کیسے نکلتے ہوں گے!" عظمہ
نے جاننا چاہا۔

"جب بچّے نکلتے ہیں وہ اسپنج کاٹ کر راستہ بنا لیتے ہیں اور

پھر باہر نکل آتے ہیں۔"

حارث سوچ رہے تھے کہ جب کسی ایک جگہ سے اتنے بہت سے بچّے نکلتے ہوں گے تو کیسا لگتا ہوگا۔ یہی سوچ کر انھوں نے سوال کیا:

"ابّو جب اتنے ڈھیروں بچے ایک ساتھ نکلتے ہوں گے تو عجیب لگتا ہوگا۔"

"ہاں ان بچوں کا پورا ایک لشکر تیار ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ساتھ مارچ کرتے ہوئے کھانے کی تلاش میں آگے بڑھتے ہیں اور جس راستے سے گزرتے ہیں وہاں کی ہریالی ختم کر ڈالتے ہیں۔ اس طرح وہ کھا کھا کر آہستہ آہستہ بڑے ہوتے جاتے ہیں۔"

"ان بچوں کو پوری ٹڈیاں بننے میں کتنا وقت لگ جاتا ہوگا۔"

"یہی کوئی ڈیڑھ مہینہ اور جب ایک بار اُن کے پر نکل آئیں تو انھیں قابو میں کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وقت تو صرف ہیلی کاپٹروں کی مدد سے زہریلی دوا چھڑک کر ہی انھیں مارا جا سکتا ہے۔" کیا تم لوگ ٹڈیوں کی تعداد کا اندازہ کر سکتے ہو؟ حارث کے ابّو نے پوچھا۔

"جب ٹڈیوں کی وجہ سے سورج کی روشنی تک چھپ جاتی تھی تو تعداد اتنی زیادہ ہوگی جسے شمار کرنا شاید ممکن نہ ہو۔" شارق نے کہا۔

"تم نے ٹھیک ہی سمجھا۔ ویسے ٹڈیوں کے ماہر کہتے ہیں کہ ایک مربع کلومیٹر بڑے دَل میں تقریباً ایک کروڑ ٹڈیاں ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں بہت سال پہلے ایک بے حد بڑا ٹڈی دَل افریقہ میں آیا تھا جو لگ بھگ دو ہزار مربع میل میں پھیلا ہوا تھا اور اُسے کسی ایک جگہ سے گزرنے میں دس دن لگتے تھے۔ اسی طرح ۱۷۸۹ء میں جنوبی افریقہ میں ایک اور زبردست ٹڈی دل آیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے سمندر پار نہ کر سکا اور پانی ہی میں اتر پڑا۔ کچھ ہی دیر میں سمندر کی لہروں نے اُسے ختم کر ڈالا۔ مری ہوئی ٹڈیاں بہہ بہہ کر کناروں پر آنے لگیں اور جلد ہی انھوں نے سمندر کے کنارے دو سے تین فٹ اونچی دیوار بنالی۔ ٹڈیوں کے سڑنے سے اٹھنے والی بدبو ۱۵۰ میل تک پہنچ رہی تھی۔"

"اگر خدانخواستہ یہ ٹڈی دل مرا نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟" خالد نے سوال کیا۔

"ہوتا کیا تھا قحط پڑ جاتا اور لوگ بھوکے مر جاتے۔"

"کیا کسی طرح یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ٹڈیاں روزانہ کتنا کھاتی ہوں گی؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں! کیڑوں کے ماہروں نے تجربہ گاہ میں یہ بات معلوم کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک ٹڈی روزانہ تقریباً تین گرام پتیاں

کھا لیتی ہے۔"

"یہ تو بہت کم ہے۔ اتنا کھا لینے سے بھلا قحط کیسے پڑ سکتا ہے؟"

نبیل نے کہا۔

"یہ حساب ایک ٹڈی کا ہے۔ ذرا ایک مربع کلومیٹر میں موجود تمام ٹڈیوں کے کھانے کا حساب لگا کر دیکھو ہوش اڑ جائیں گے۔"

شارق نے حساب لگانا شروع کیا:-

" ایک مربع کلومیٹر میں ٹڈیوں کی کل تعداد ایک کروڑ، ایک ٹڈی کھاتی ہے تین گرام تو ایک کروڑ ٹڈیاں کھائیں گی تین کروڑ گرام یعنی ....۳۰ کلو یا تین سو کوئنٹل۔"

سب حیرت سے سن رہے تھے۔ ابّو بولے:

"یہ تو صرف ایک مربع کلومیٹر کی ٹڈیوں کا صرف ایک دن کا حساب ہے سوچو اگر یہ ٹڈی دَل بڑا ہو اور کسی علاقے میں کئی دن رک جائے تو وہاں کا کیا حال ہوگا۔"

شگفتہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا:

"کیا ہمارے ملک میں بھی کبھی ٹڈیوں کا ایسا حملہ ہوا ہے؟"

" ہاں کیوں نہیں۔ بہت زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ ۱۹۵۲ء میں راجستھان میں ٹڈیوں کا ایک زبردست حملہ ہوا۔ جودھ پور کے پاس ایک گاؤں اوسیاں

میں ایک عورت اپنے کھیت میں ٹڈیاں بھگانے کے لیے گئی۔ اس نے اپنے نو مہینے کے بچے کو ایک ٹوکری میں لٹا دیا اور خود ٹڈیاں بھگانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پلٹ کر دیکھا تو بچہ غائب تھا اور اس کی جگہ بچے کی ہڈیاں پڑی تھیں جس سے بے شمار ٹڈیاں چمٹی ہوئی تھیں۔"

عظمہ یہ سن کر سہم گئیں اور شگفتہ کو تو جھرجھری آگئی۔ وہ حیران تھیں کہ آخر یہ کیسے کیڑے ہیں جو انسانوں تک پہ حملہ کرتے ہیں بلکہ انھیں کھا بھی جاتے ہیں۔ خالد پر اس بات کا کچھ اور ہی اثر ہوا تھا۔ شاید انسانوں پر ٹڈیوں کے اس ظالمانہ حملے نے ان میں بدلے کا احساس جگا دیا تھا وہ بہت غصے سے بولے:

"اگر میں اس وقت ہوتا تو ٹڈیوں کو مار مار کر کچّا چبا لیتا۔"

"ارے ارے کیسی گندی بات کرتے ہیں۔ آپ کو یہ کہتے گھن نہیں آتی۔" شگفتہ بولیں۔

"کچا تو نہیں ہاں ٹڈیوں کو بھون کر اور تل کر تو لوگ کھاتے ہی تھے۔" دادی نے بتایا۔

ایسا لگا جیسے خالد کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی وہ بولے:

"کیا یہ سچ ہے! اگر لوگ انھیں سچ مچ کھاتے تھے تو ٹھیک ہی کرتے تھے۔ ایسے موذی کیڑوں کا یہی انجام ہونا چاہیئے۔"

"تم نے سنا ہو گا چینی لوگ سانپ اور مینڈک تک کھا لیتے ہیں۔ پھر بھلا ٹڈیاں کھانا کون سا مشکل کام ہے۔ امریکہ، جاپان اور عرب کے لوگ تو انھیں بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ ان ملکوں میں یہ ٹڈیاں جھینگا مچھلی اور ہرن کی طرح بہت مہنگی بکتی ہیں۔"

"ٹڈیوں کے جسم کا کون سا حصّہ کھایا جاتا ہے؟" نبیل نے پوچھا۔

"ان کے سر اور دُم کا آخری حصّہ توڑ دیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے پیٹ اور آنتوں کی گندگی باہر نکل جاتی ہے۔ پر اور ٹانگیں بھی کاٹ دی جاتی ہیں ہاں پچھلے پیروں کا اوپری حصّہ چھوڑ دیتے ہیں کیوں کہ وہ موٹا ہوتا ہے اور اس میں گوشت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد جھینگا مچھلی یا ہرن کی طرح فرائی کر کے اُسے کھاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر ابّو نے گھنٹے کی طرف دیکھا بارہ بج رہے تھے۔ وہ بولے:

"اب بہت رات ہو چکی ہے اس لیے تم لوگ سو جاؤ۔ باقی باتیں پھر کسی دن بتائیں گے۔"

# قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

**بدھ کی کہانیاں**

مصنف : انیتا کھنہ
مترجم : پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی
صفحات : 80
قیمت : -/65روپے

**اغوا اور دوسری کہانیاں**

مرتب : گیتا مینن
مترجم : منظور عثمانی
صفحات : 110
قیمت : -/32روپے

**باپو اور بچے**



مصنف : پی ڈی ٹنڈن
صفحات : 43
قیمت : -/15روپے

**بچوں کے نہرو**



مصنف : ایم چالا پاتھی راو
مترجم : نامی انصاری
صفحات : 112
قیمت : -/32روپے

**ان سے ملیے**

مصنف : منوہر ورما
مترجم : طلعت عثمانی
صفحات : 47
قیمت : -/12روپے

**اشوک کی پتنگ**

مصنف : مارگریٹ بِنَہ
مصور : میری ین ہرش
صفحات : 24
قیمت : -/9.50روپے

Rs. 9/-

ISBN : 978-81-7587-406-0

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

**National Council for Promotion of Urdu Language**

Ministry of HRD, Department of Higher Education, Government of India
FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110 025